حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ...... بطور ماہر تعلیم و نصاب ساز

☆ حافظ نجم الحق

عالم اسلام کی معروف شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بیک وقت مختلف و متنوع خصوصیات کے مالک تھے۔ ملت اسلامیہ کے لیے انہوں نے جو بے مثال خدمات انجام دیں وہ بالعموم ادارے اور اکیڈمیاں اپنے وسائل اور افراد کی بنیاد پر انجام دیا کرتی ہیں، مگر مولانا ندویؒ نے فرد واحد ہو کر یہ کارنامہ انجام دیا اور کئی اداروں کے برابر کام کر دکھایا۔ مولانا ندویؒ نے ایک طرف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذریعہ مسلمانوں کو علوم دینیہ سے بہرہ ور کیا تو دوسری طرف اپنی مؤثر تقاریر اور پر جوش تحریروں کے ذریعے مسلمانوں میں جوش عمل اور گہرا عملی شعور اُجاگر کیا۔ ایک طرف انہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کے صدر کی حیثیت سے مسلمانوں کے ملی تحفظ کا فریضہ انجام دیا تو دوسری طرف ''تحریک پیام انسانیت'' کے ذریعے غیر مسلموں کو اسلام کے قریب کیا اور مسلمانوں کو ایک داعی اور مبلغ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔ ایک طرف انہوں نے رابطۃ العالم الاسلامی کے اہم رکن کی حیثیت سے عالم اسلام کے اتحاد کے لیے کوشش فرمائیں تو دوسری طرف مسلمانوں میں علم واَدب کا شوق زندہ کرنے کے لیے ''رابطہ ادب اسلامی'' کی بنیاد رکھی۔ غرض یہ کہ مولانا مرحوم ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک اور مختلف و متنوع خصوصیات کے حامل تھے۔

مولانا ندویؒ نے مسلم اُمہ کی زندگی میں دینی نقطہ نظر سے جہاں جہاں رخنے محسوس کیے انہیں پُر کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صَرف کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تعلیم کے اساسی اور بنیادی شعبے میں دُور رس تبدیلیاں چاہتے تھے۔ وہ ایسے علمی اداروں کی ضرورت محسوس کرتے تھے جو تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دوبارہ کھینچ کر اسلام کی طرف لاسکیں، جو انہیں مغرب کے فلسفوں کی ذہنی

☆ ناظم اعلیٰ جامعہ خیر المدارس، ملتان

غلامی سے نجات دلا سکیں، جن کی بدولت ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت اُبھر سکے اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ اپنے ان عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اُنہوں نے نصاب اور نظامِ تعلیم و تربیت سے متعلق بہت سے اصلاحی و تجدیدی قدم اٹھائے۔ طالب علمی کے مرحلے کے بعد جب مولاناؒ نے ندوۃ العلماء میں ایک استاذ و مدرس کی حیثیت سے تدریس کا آغاز کیا اور تفسیر و حدیث اور اَدب و تاریخ کے مضامین پڑھانے شروع کیے تو لگے بندھے طریقۂ تعلیم کی بجائے ایک ماہرِ تعلیم اور نصاب ساز کی حیثیت سے ایسا طریقہ تدریس اختیار کیا جس میں قدم قدم پر سخت محنت و جانفشانی کرنا پڑتی ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر پڑھاتے وقت مولاناؒ نے گزشتہ اقوام کی تاریخ عقائد، تہذیب، ان کے اخلاقی امراض، انسانی سوسائٹی پر ان کے اثرات اور قرآن کی روشنی میں قوموں کے عروج و زوال کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس میں مسٹر گبن کی تاریخ زوال روما اور دوسرے مغربی مؤرخین کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا اور قرآن کے طلباء کو مغربی کوکھ سے جنم لینے والے فتنوں، لادینی تحریکات اور اس کے علمبرداروں کی فکری سازشوں کے مقابلے کے لیے تیار کیا۔

ایک ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے مولانا ندویؒ رسمی تعلیمی اداروں کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان تعلیمی اداروں میں حصول علم کے لیے آنے والے طلباء مستقبل میں قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے، اس لیے وہ ان اداروں میں جمود کی بجائے تحریک دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ کہتے:

> ''مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے۔ مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے...... مدرسہ ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدی ﷺ کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں...... میں مدرسہ کو ہر مرکز سے بڑھ کر مستحکم، طاقت ور زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت و نمو سے لبریز سمجھتا ہوں...... جب زندگی رواں اور دواں ہے تو مدرسہ میں جمود اور تعطل کی گنجائش کہاں ہے، اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا چاہیے۔'' (۱)

مولانا ندویؒ اہل مدارس کو ہدایت کیا کرتے تھے:

''وہ طلباء کو مدرسہ اور نصاب سے مانوس کریں اور انہیں ماحول کے برے اثرات سے محفوظ کرتے ہوئے تعلیم کے لیے یکسو کریں کہ مدرسہ طالب علم اور خدا کے درمیان ایک بلاواسطہ کی کڑی ہے جس کا ایک سرا ادھر ہے اور دوسرا اللہ کے قبضہ میں ہے۔'' (۲)

ماحول کے اثرات اس میں رکاوٹ نہیں بننے چاہیے۔

بحیثیت ماہر نصاب اور ماہر تعلیم مولانا ندویؒ کا نظریہ یہ تھا کہ نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو انسان کی زندگی کے مراحل میں رہنمائی کر سکے اور انسان میں اتنی استعداد پیدا کر دے کہ وہ کنایوں سے فائدہ اٹھا کر نتائج اخذ کر سکے کہ نصاب تعلیم کے لیے زندگی کی تمام ضروریات پر حاوی ہونا لازمی نہیں اور نہ ہی وہ زندگی کے تمام تقاصوں اور ضروریات کی تکمیل کا مدعی اور ضامن ہوتا ہے۔ مدارس دینیہ میں رائج نصاب تعلیم کی حیثیت کو واشگاف کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''ہمارے نصاب تعلیم کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ یہ نصاب اپنی خوبیوں اور امتیازات کے باوجود دیگر ضروریات کو مکمل نہیں کرتا، کوئی ایسا شخص جو ذمہ دار اور حقیقت پسند ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا نصاب تعلیم زندگی کی تمام ضروریات پر حاوی ہے۔ ہمارا نصاب تعلیم بھی اس کا مدعی اور ضامن نہیں، نصاب تو درحقیقت اس ملکہ خاص کا ضامن ہے جو انسان کی زندگی میں قدم پر رہنمائی و قیادت کا کام انجام دے سکے اور انسان کے اندر اتنی استعداد پیدا کر دے کہ وہ کتابوں سے فائدہ اٹھا کر نتائج اُخذ کر سکے۔ وہ زندگی کے تمام تقاضوں اور ضروریات کا ضامن نہیں ہوتا۔'' (۳)

تاہم نصاب کیسا ہونا چاہیے......؟ اس سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مولاناؒ فرماتے ہیں:

''عربی زبان واُدب کا ایسا نصاب جو دین واُدب دونوں کا جامع ہو، جس میں دینی روح بھی ہو اور دین آموزی کی صلاحیت بھی، جو اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات، توحید، رسالت، معاد اور انبیاء کرام کی سیرت و شخصیت کو حکایات کے ذریعہ اس طرح ذہن نشین کرتا ہو کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہنوں پر ذرا بھی

بار نہ پڑتا ہو۔"(۴)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک نصاب تعلیم میں دلچسپی نہ ہو طلباء کو حصول علم کی طرف بھرپور متوجہ کرنا بہت مشکل ہے۔ مولانا کو بھی اس بات کا بخوبی ادراک تھا اور اس کا اظہار کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:

"آج ماہرین تعلیم کے سامنے یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ نصاب تعیم کے علاوہ طلباء کے لیے ایسی کیا چیز مہیا کی جائے جو زندگی اور منصب و مرتبہ کے تقاضوں کو پورا کرے اور جس ماحول میں ان تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہو، اس ماحول سے صحیح رابطہ پیدا کر سکے۔ یہ مسئلہ مغرب کے دانشوروں سے لے کر مشرقی عالموں تک سب کے لیے ایک اہم اور بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔"(۵)

مولاناؒ اس کا حل یہ بتاتے ہیں کہ طلباء میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے کتب خانے فراہم کیے جائیں، اساتذہ راہنمائی کریں تاکہ طالب علم زندگی کے کارواں سے بچھڑنے نہ پائے۔ ماہرین تعلیم اور علم وفن کے فضلاء مہیا کیے جائیں جوان کے سامنے نئے زاویے اور نئے حقائق پیش کریں اور قدیم علمی معلومات کے علاوہ جدید علوم کے حقائق سے طلباء کو آشنا کریں۔

طلباء میں ایسی استعداد، ذوق اور ملکہ پیدا کرنے کے لیے مولاناؒ اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ طلباء کو ایسے اصحاب علم وفضل اور ماہرین تعلیم سے استفادے کے مواقع ملتے رہنے چاہیں جوان کے سامنے نئے زاویے اور نئے حقائق پیش کریں اور قدیم علمی معلومات کے علاوہ جدید علوم کے حقائق سے طلباء کو آشنا کریں۔ ندوۃ العلماء میں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے اس کا اظہار یوں فرمایا:

"حقیقت میں یہ بات انتہائی لائق تحسین وتوصیف ہے کہ مشاہیر علم وفن یہاں آکر اپنے خطبات و مقالات سے علم وتعلیم کا نچوڑ آپ کے سامنے پیش کر دیں اور آپ بھی اہل علم کی مجلسوں اور محفلوں میں شریک ہوں کیونکہ علم وفن کا ذوق جب ہی بنتا ہے، جب اہل علم کی مجلسوں سے رابطہ قائم رکھا جائے۔ اس کے بعد انسان بہت تھوڑے مواد سے کام لے سکتا ہے، لیکن ایسا ملکہ جب ہی پیدا ہوگا جب کہ

مختلف مجالس اور محافل میں شرکت کی جائے۔"(٦)

بعض قدیم علماء کی رائے کے برعکس مولاناؒ اس کے نہ صرف قائل بلکہ داعی تھے کہ اہل مدارس اور دینی علوم کے حاملین کو عصرِ حاضر کے علوم اور اصطلاحات سے واقفیت ہونی چاہیے۔ مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لیے ضروری ہے کہ اہل علم انہیں ان ہی کی زبان اور محاوروں کے مطابق جواب دیں۔ ابلاغ کے تقاضے اس وقت تک پورے نہیں کیے جاسکتے جب تک آپ زندہ اور روزمرہ کی زبان استعمال نہ کریں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے لیے یہ بات افسوسناک ہوگی کہ ہم تیز رفتار دور میں طبیعات، سائنس وغیرہ کی ابتدائی معلومات سے بھی ناآشنا ہوں جو اس دور میں لازمی اور ضروری ہیں بلکہ اخبارات اور رسائل کو سمجھنے کے لیے ان کا علم ناگزیر ہے۔"(٧)

مولانا ندویؒ نے اہل علم وفضل کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ نصاب تعلیم جامد اور ساکن نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں نمو اور حرکت ہو، ترقی ہو، حالات اور ضروریات کا لحاظ ہو۔ انہیں اس صدی کے علماء و فضلاء سے یہ شکوہ تھا کہ موجودہ دور مدارس کے نصاب میں جن تبدیلیوں کا متقاضی تھا، اہل علم نے ان کا لحاظ نہیں کیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"خود آپ کا نصاب تعلیم اس حقیقت کا گواہ ہے کہ علماء اسلام نے کسی ضرورت کے تسلیم کرنے اور کسی مفید و ناگزیر چیز کو قبول کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کیا۔ یہ نصاب عہد بہ عہد تبدیلیوں اور مختلف علمی وعقلی رجحانات کا نمائندہ ہے۔ اس میں ہر دور میں اضافہ وترمیم ہوتی رہی ہے۔ صرف یہ سو برس کا زمانہ ایسا ہے جس میں اس نصاب میں کم سے کم تبدیلی ہوئی ہے، حالانکہ یہی زمانہ اپنی سیاسی و ذہنی تبدیلیوں کی بنیاد پر جائز اور ضروری تبدیلیوں کا سب سے زیادہ مستحق ومتقاضی تھا۔"(٨)

مولانا ندویؒ کے نزدیک تمام جامعات و دانشگاہوں کی علت غائیہ عقیدۂ وعمل اور کردار کی درستگی اور طہارت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس انسان کی نظر علم کے ساتھ اخلاق و کردار پر بھی ہو وہ صرف ڈگریوں اور عمارتوں پر کفایت نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ نصاب تعلیم اور درسگاہ کی بدولت کتنے افراد کی زندگیوں میں انقلاب آیا؟ سیرت سازی کا کیا کام ہوا؟ کتنے ایسے صاحب علم

افراد پیدا ہوئے جو اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جنہیں دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تخریبی فلسفہ، کوئی غلط دعوت وتحریک کسی قیمت پر نہیں خرید سکتی۔

مولاناؒ کا نظریہ یہ تھا کہ:

''دانش گاہوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ کتنی تعداد میں پیدا کر رہے ہیں۔ میں صفائی سے کہتا ہوں کہ اب کسی ملک کی یہ تعریف نہیں کہ وہاں بڑی تعداد میں یونیورسٹیاں ہیں، یہ کوتاہ نظری اب بہت پرانی ہوگئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ علم کے شوق میں، جستجو کی راہ میں، علم و اخلاق کے پھیلانے میں اور برائیوں، بداخلاقیوں، سفاکی و درندگی، دولت وقوت کی پرستش کو روکنے کے لیے کتنے آدمی اپنی زندگی وقف کرتے ہیں۔ اپنی قوم کو صاحبِ شعور، مذہب اور باضمیر قوم بنانے کے لیے کتنی تعداد میں نوجوان موجود ہیں جو اپنی ذاتی سربلندی اور ترقی سے آنکھیں بند کر کے اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں۔''(۹)

موجودہ دور میں مدارس دینیہ علم و دین کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں، وہ بہت غنیمت ہے لیکن مولانا ندویؒ چاہتے تھے کہ اہل مدارس صرف اس پر اکتفا نہ کریں، بلکہ امت کی قیادت کا فریضہ انجام دیں۔ عالم اسلام کے خلاف جو فتنے اٹھ رہے ہیں ان کا ادراک بھی کریں اور تدارک بھی، سیاست و اقتدار اور صحافت کے ذریعے جو بے دینی اور تہذیبی ارتداد پھیل رہا ہے اس کے قلع قمع کے لیے میدانِ عمل میں آئیں، مولاناؒ فرماتے تھے:

''مدارس دینیہ کا کام اتنا ہی نہیں کہ نصابی کتابیں سمجھ لی جائیں اور مسئلے بتا دیئے جائیں۔ ہم ان کی ناقدری نہیں کرتے، اس نظام تعلیم کا ہم احترام کرتے ہیں لیکن صرف اتنا کافی نہیں۔ موجودہ فتنوں کو سمجھنا، ان سے اچھی طرح باخبر ہونا اور ان کا مؤثر و طاقتور زبان اور دلکش اسلوب میں مقابلہ کرنا وقت کا بنیادی تقاضا ہے۔ ہمارے طلباء و اساتذہ عربی زبان میں مہارت پیدا کریں جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کر سکے۔ ہمارے اساتذہ اور طلباء کا مطالعہ وسیع، متنوع اور اپ ٹو ڈیٹ ہو۔''(۱۰)

اس لیے طلباء کو یہ معلوم ہو کہ اس زمانہ میں کیا رجحانات کام کر رہے ہیں۔ طلباء میں تحقیق و

مطالعہ اور جستجو کا ذوق ہونا چاہیے اور اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کو مطمئن کرنے کے قابل ہو سکیں۔ کیونکہ:

''زمانہ میں ہر چیز کی قدر و قیمت اس زمانہ کی ضروریات اور اس زمانہ کے معیار کے لحاظ سے ہوتی ہے......زمانہ ایک منٹ کے لیے جامد و ساکت نہیں ہوا، اس نے کسی منزل پر قیام نہیں کیا، خیالات بدلتے رہے، ضروریات بدلتی رہیں، تقاضے بدلتے رہے، نئے نئے میدان اور نئے نئے چیلنج سامنے آتے رہے اور علماء سے اپنے جوابات مانگتے رہے۔'' (۱۱)

مولاناؒ ایک طالب علم کے لیے مقصد کی پہچان ضروری قرار دیتے ہیں اور پھر حصول مقصد کے لیے اخلاص، جذبہ قربانی، جوہر ذاتی، شکر اور تعلق مع اللہ کو بہت اہم قرار دیتے ہیں۔ جوہر ذاتی کی وضاحت مولاناؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''وہ ہیرا تمہاری زندگی کی صلاحیت ہے، بڑھنے کی صلاحیت، فرمانبرداری کی صلاحیت اور بہتر بننے کی صلاحیت۔'' (۱۲)

مولاناؒ کہتے ہیں:

''اگر انسان میں محنت، کوشش، طلب، تڑپ، عزم، ہمت، بلند حوصلہ اور قربانی کا جذبہ ہو تو انسان کے قبضہ میں ہر منزل ہے۔ صرف خدائی اور نبوت اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ زمانہ ''بقائے اصلح'' کا قائل ہے۔ وہ بہت ہی حساس اور نقاد ہے، وہ صالح کی بجائے اصلح اور نافع کی بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔'' (۱۳)

مولانا ندویؒ کہتے ہیں:

''اگر کسی میں یہ چیزیں ہیں تو ہر وقت زمانہ اس کا ہے اور اس کے لیے منتظر ہے۔''

مولانا ندویؒ علم و اَدب میں قومی زبان کے اختیار کرنے کو من حیث القوم ترقی کا باعث سمجھتے اور اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور غیر قومی زبان کے اثرات کو قوم کے لیے نقصان دہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں، دنیا میں اکثر قوموں نے اپنی قومی زبان کو تعلیمی سطح پر اختیار کر کے ہی ترقی حاصل کی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں:

''وہ قوم ہمیشہ خطرہ میں رہے گی جس پر کسی ایسی قوم کا ذہنی اثر دماغ پر سایہ ڈال رہا ہو اور وہ اس کو Literary طور پر، کلچرل طریقہ پر غذا پہنچا رہی ہو۔ Feed کر رہی ہو، وہ قوم ہمیشہ خطرہ میں رہے گی اور وہ قوم کبھی پورے طور پر آزاد نہیں ہوسکتی جب کوئی علمی و ادبی (Cultural) حیثیت سے کسی قوم کی باج گزار یا شرمندہ احسان ہوتو جو قوم غالب ہوگی اس کا وہ اثر مانے گی۔ اس کے معیار (Ideals) اختیار کرے گی، اس کی اقدار (Values) مستعار لے گی اور اخیر میں اس کا مذہب بھی اختیار کرلے گی۔'' (۱۴)

مولاناؒ تعلیم میں نئی تحقیق اور جستجو کی ترغیب دیتے ہیں اور طالب علموں کو اپنی توانائیاں تعمیری کاموں میں صرف کرنے کی طرف راغب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''دینی طالب علم اپنی طاقت وتوانائی ان فروعی مسائل میں صرف کریں جو بحث وتحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں اور صدیوں سے ان پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے یا کسی فقہی مسلک کی کسی ایسے مسئلہ کی وجہ سے مخالفت کریں جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوشش کا محور اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسوم وعقائد، جاہلی رسم و رواج اور غیر اسلامی بودو باش کی اصلاح کو بنایا جائے۔'' (۱۵)

یہ اس صدی کی عظیم شخصیت داعی اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کے افکار ونظریات کی ایک جھلک ہے۔ اگر ہم اپنے اپنے زیر اثر اداروں اور درسگاہوں میں مولانا ندویؒ کے بیان کردہ رہنما اصولوں بروئے کار لاتے ہوئے طلباء و طالبات کی تعلیمی و ذہنی تربیت کریں تو مجھے اُمید ہے کہ یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی طرف ایک فیصلہ کن قدم ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ